اسلامی نکتۂ نظر سے

دینی پلورل ازم کے نظریہ کی حیثیت

THE STATUS OF RELIGIOUS PLURALISM
(FROM THE ISLAMIC POINT OF VIEW)

Muhammad Hussain Hafizi
Syed Asad Ali Kazmi

Abstract:
The exchange of views in modern world has become so easy taht the people around the world have become well acquainted with each other's views. So, various debates on issues related to their ideas and beliefs have sprung up. One of the debates is around the issue: “Weather there exist only one true religion, or, every religion is true in its nature and can save our lives in the world hereafter?” “Yes” to all religions makes the core of religious plurisim. Study of the issue in depth and from all angles is necessory. The article explanes the ideology of pluralism first, and then presents the Qur'anic and Islamic view upon the issue.

Keywords: *Quran, Islam, Religious, Pluralism, Reasoning, John Hick.*

خلاصہ
عصر حاضر میں دنیا بھر کے لوگوں میں آراء و نظریات کا تبادلہ اتنا آسان ہو چکا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے نظریات سے بخوبی آشنا ہیں۔ لوگوں کے عقائد و نظریات پر مختلف مباحث معرض وجود میں آئی ہیں۔ ان مباحث میں سے ایک بحث یہ ہے کہ آیا دنیا میں محض ایک دینِ حق پایا جاتا ہے یا ہر دین اپنی ماہیت کے اعتبار سے ہماری آخرت سنوار سکتا ہے؟ سب ادیان کو آخرت کا نجات دہندہ قرار دینا، دینی کثرتیت کا جوہر ہے۔ اس مقالے میں پہلے دینی پلورل ازم کے نظریہ کی وضاحت پیش کی گئی ہے اور اس کے بعد اس بارے میں قران اور اسلام کا نظریہ پیش کیا گیا ہے۔

کلیدی الفاظ: قرآن، اسلام، دینی، کثرتیت، استدلال، جان ہیک۔

دینی پلورل ازم (Religious pluralism)

فلسفہ دین کے محققین کے لئے دینی پلورل ازم یا دینی کثرتیت ایک عمدہ موضوع بحث ہے ۔ اس وقت دنیا میں ہزاروں قسم کے دین اور دین دار موجود ہیں اور ان میں سے ہر ایک، اپنے مکتب اور دین کو حق اور نجات بخش سمجھتا ہے، جیسے مسلمان، عیسائی، یہودی، زرتشتی اور بودھ وغیرہ۔ ان میں سے ہر کوئی اپنے دین کو حق، نجات بخش اور دوسرے تمام ادیان (چاہے آسمانی و اور وحی پر مبنی ہوں یا غیر آسمانی) کو باطل شمار کرتا ہے۔ اس کو اصطلاح میں **انحصاریت** (exclusivism) کہتے ہیں۔اس نظریے کے مقابل میں کچھ کا یہ کہنا ہے کہ حق صرف ایک دین یا مکتب کے ساتھ مختص نہیں ہے؛ بلکہ دنیا کے تمام ادیان، مذاہب اور مکاتب (چاہے آسمانی و وحیانی ادیان ہوں یا غیر آسمانی) حق اور صحیح ہیں اور ان کے تمام ماننے والوں کو نجات مل سکتی ہے،اس شرط کے ساتھ کہ انہوں نے اپنے اپنے دین کے احکامات پر عمل کیا ہو۔ کیونکہ جب انسان کسی دین اور مکتب کو قبول کرتا ہے تو اس کا مقصد خدا تک پہنچنا ہوتا ہے۔اس کے لئے وہ کسی بھی دین کو انتخاب کرسکتا ہے، چاہے دین یہودیت کا انتخاب کرے یا عیسائیت کا، دین اسلام کا انتخاب کرے یا کسی غیر (کسی اور اصطلاح کی ضرورت ہے) دین کو جیسے بدھ مت وغیرہ، کیونکہ اس کا اصل ہدف، خدا تک جانا ہے۔ جس کے لئے مختلف راستے ہوسکتے ہیں (الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق) ؛ لہٰذا ہر کوئی ایک نہ ایک راستے کو خدا تک پہنچنے کے لئے انتخاب کر لیتا ہے۔اس کو اصطلاح میں دینی کثرتیت، دینی پلورل ازم کہتے ہیں۔

جان ہیک اسی نظریہ دینی پلورل ازم کی تعریف کو اس طرح بیان کرتا ہے: دینی پلورل ازم سے مراد یہ ہے کہ انسان کی نجات اور فلاح کے لئے صرف ایک راہ اور روش نہیں ہے؛ بلکہ انسان کی نجات کے لئے بہت سارے راستے موجود ہیں جن پر چل کر انسان نجات پا سکتا ہے۔[1] اگر غور سے دیکھا جائے تو خود اسلام کے ماننے والوں میں بھی دینی پلورل ازم کے قائل لوگ موجود ہیں۔ مثلاً آج کے زمانے میں جب بعض جوانوں سے کہا جائے جاو نماز پڑھو! تو فوراً کہیں گے کیوں نماز پڑھیں؟ کیا خدا تک جانے کا راستہ صرف نماز ہے کیا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں؟ آپ نماز کے ذریعے اللہ کی خوشنودی حاصل کیجئے۔ ہم اس کے بجائے دس یتیموں کی کفالت کرکے اللہ کی خوشنودی حاصل کرلیں گے۔اللہ تعالی کا شکر ہے، ہمارے پاس پیسوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔

اگر ہم اس بات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ بات غلط ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اسلام کسی ایک دستور کا نام نہیں ہے کہ جس پر عمل کرکے ہم خدا سے نجات اور مغفرت کی لو لگا بیٹھیں؛ بلکہ اسلام، اللہ تعالی کے کہے ہوئے

فرامین کے مجموعے کا نام ہے۔ اور انسان کو نجات اسی وقت مل سکتی ہے جب وہ ان فرامین کے مجموعے پر عمل کرے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں واضح طور پر کہا ہے: وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ(103:2-1) عصر کی قسم سارے انسان خسارے میں ہیں۔ اس خسارے سے بچنے کی دو شرائط رکھی گئی ہیں: ا۔ انسان اللہ پر ایمان رکھے ۲۔ نیک کام بجالائے۔ آیت کے دوسرے حصے میں لفظ "صالحات" کو جمع کے طور پر استعمال کرکے اللہ یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ اسلام کے تمام قوانین پر عمل کرنے ہی سے انسان کو نجات مل سکتی ہے؛ لہٰذا اگر کوئی نماز کو ترک کرکے یتیموں کی پرورش کے ذریعے نجات حاصل کرنا چاہے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس نے صالح پر تو عمل کیا ہے، لیکن صالحات پر عمل نہیں کیا ہے۔ جب کہ آیت میں خسارے سے نجات کی بشارت ان لوگوں کے لئے دی گئی ہے جو صالحات پر عمل کرنے والے ہوں۔ چنانچہ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ نجات اور سعادت کے لئے ضروری ہے کہ انسان اللہ کے بتائے ہوئے تمام اصولوں اور فرامین پر عمل کرے۔ اگر ان میں سے ایک دستور پر بھی عمل نہ ہو تو نجات نہیں ملے گی۔اس بات کی مثال معجون سی ہے۔ معجون میں مختلف چیزیں استعمال ہوتی ہیں اور اسے مختلف بیماریوں کی شفا کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر ایک معجون میں ۱۰ چیزوں کو مخلوط کرنا ضروری ہو یعنی شفا اسی وقت مل سکتی ہو جب ان ۱۰ چیزوں کو ایک ساتھ مخلوط کیا جائے، تو اگر معجون تیار کرنے والا ان ۱۰ میں سے صرف ۸ چیزوں کو استعمال کرے اور باقی کو ترک کردے تو کیا معجون وہ نتیجہ دے سکتی ہے جو ۱۰ چیزوں کو مخلوط کرنے سے دیتی ہے؟ بالکل نہیں! ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک ناقص معجون تیار کرکے شفا کی امید رکھی جائے۔ بالکل اسی طرح اسلام کے ماننے والوں کو بھی اسلام اسی وقت نجات دے گا جب وہ اسلام کے سارے فرامین پر عمل کریں، لیکن اگر کوئی ان میں سے کچھ پر عمل کرے اور کچھ کو چھوڑ دے تو اسے کبھی بھی سعادت نہیں ملے گی۔

دینی پلورل ازم کی مختصر تاریخ

اگرچہ محققین کی تحقیق کے مطابق بظاہر آخری ۱۰ صدیوں میں جس شخص نے اس نظریے کو پیش کیا وہ **جان ہیک** (John Hick) ہے، لیکن اس فکر کی اصلی بنیاد رکھنے والا ہارڈور یونیورسٹی (Hardwar University) کا مشہور و معروف پروفیسر **ویلفرڈ کنٹول** (Wilfred Cantwell) تھا۔ اس کے بعد اس کے شاگردوں کے توسط سے یہ نظریہ مختلف علمی حلقوں میں پھیلا۔ ان شاگردوں میں سرفہرست جان ہیک تھا جس کا اس نظریے کو پھیلانے میں بڑا کردار رہا ہے۔[2] جان ہیک خود عیسائی تھا۔ جب اس نے دیکھا عیسائی مذہب کے ماننے والے قائل ہیں کہ صرف عیسائی مذہب حق ہے اور صرف اسی کے پیروکاروں کو نجات ملے گی اور باقی تمام

ادیان باطل ہیں، تواس وقت جان ہیک نے دینی پلورل ازم کا نظریہ پیش کیا۔ اس نے کہا کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ صرف عیسائی مذہب حق اور نجات دہندہ ہے؛ بلکہ ہر مذہب کے ماننے والے حق پر ہیں اور نجات پا سکتے ہیں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ اپنے دین کے کہے ہوئے احکامات پر عمل کریں۔ چونکہ انسان اپنی مرضی کامالک ہے چنانچہ وہ جس راستے سے بھی چاہے خدا تک جاسکتا ہے۔

یہ نظریہ عام ہوا یہاں تک کہ ایک مشہور ایرانی (نظریہ دان) **ڈاکٹر سروش** بھی اس نظریے کا قائل ہوگیا اور اس نے بھی اس نظریے کی حمایت کرنا شروع کردی۔ ڈاکٹر سروش نے اس نظریے کا پرچار کیااور دینی پلورل ازم کے موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام **صراط های مستقیم** ہے۔ کتاب کا نام ہی اس کے نظریے کی عکاسی کے لئے کافی ہے۔ درحقیقت اس نے اپنی کتاب کا نام صراط مستقیم رکھنے کے بجائے صراط ھای مستقیم رکھا جس کا معنی ہے سیدھے راستے۔ یعنی وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ تک جانے کے متعدد راستے ہیں، اسی کو اصطلاح میں دینی پلورل ازم کہتے ہیں؛ لہٰذا وہ تمام محققین جو نظریہ پلورل ازم دینی کی اصل اور بنیاد کی تلاش میں ہوں اور اس کے بارے میں تحقیق کے پیاسے ہوں، انہیں چاہئے کہ فلسفہ اور دین کی قدیم تاریخوں کا بغور مطالعہ کریں تاکہ کما حقہ اس حقیقت سے آشنا ہوسکیں۔

محققین نے یورپ میں دینی پلورل ازم کے نظریہ کے وجود میں آنے کے بہت سارے اسباب اور عوامل بیان کئے ہیں۔ ان میں سے دو عوامل ایسے ہیں جو کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم اپنے مقالے میں انہی دو عوامل کو بیان کرنے پر اکتفا کریں گے۔ دامن تحقیق اس سے زیادہ بیان کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ دو اہم عوامل یہ ہیں:

1- سیاسی اور دینی لبرل ازم

اس نظریے کے مطابق گورنمنٹ کو کسی کے بھی ذاتی امور میں مداخلت کرنے سے پرہیز کرنا چاہے، کیونکہ انسان کے انفرادی اور ذاتی امور اس کے (ذاتی حدود) شمار ہوتے ہیں اور (ذاتی حدود) میں کسی اور کو حتی کہ حکومت کو بھی مداخلت کا حق حاصل نہیں ہے۔

2- (نجات کا راستہ)

انسانی زندگی میں نجات کی تلاش ایک اہم مسئلہ ہے۔ جس کی خاطر انسان اللہ کے حضور گڑگڑا کر عبادت اور دعائیں کرتا ہے۔ اسی نجات کو حاصل کرنے کے لئے انفاق فی سبیل اللہ کو بھی اپنے لیے باعث فخر سمجھتا ہے۔ نیز جہاد کے میدان میں اپنی جان کی بھی پروا نہیں کرتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں جتنے بھی نیک اعمال بجا لانے کی کوشش کرتا ہے، اس کا اصلی ہدف اور مقصد خدا کی خوشنودی حاصل

کرکے قیامت کے دن ان سختیوں اور عذابوں (جن کا وعدہ اللہ نے قرآن مجید میں کیا ہے) سے نجات حاصل کرنا ہے۔

عیسائیت کی تعلیم کے مطابق صرف وہ شخص کامیاب ہے جو حضرت عیسی مسیح کی ربوبیت اور عقیدہء فدیہ پر ایمان لائے۔اگر کوئی شخص اس پر ایمان نہ لائے اور غسل تعمید کو انجام نہ دے تو وہ جنت میں نہیں جاپائے گا۔ اس نظریے کے مقابل میں ایک کیتھولک **کارل ری نر**(Karl Rahner) نے (Exclusivism) (Religious) کا نظریہ پیش کیا۔اس نظریہ کے مطابق دین حق ایک ہے جو عیسائیت ہے، لیکن نجات اس دین عیسائیت کے ساتھ مختص نہیں ہے؛ بلکہ دوسرے ادیان کے ماننے والے بھی اگر اپنے دین پر عمل پیرا رہے ہوں توانہیں نجات مل سکتی ہے؛ کیونکہ حضرت مسیحؑ نے لوگوں کے گناہوں کا کفارہ اپنی جان قربان کرکے ادا کردیا ہے؛ لہٰذااس کفارے کی بناپر ہونے والی بخشش اور نجات میں سارے انسان شامل ہیں [3] ان دونوں نظریوں کے برعکس عیسائیوں کے ایک اور نامور متکلم **جان ہیک** نے دینی پلورل ازم کا نظریہ پیش کرکے کہا: انسان جس دین اور عقیدے سے تعلق رکھتا ہو وہی اس کے لئے حق بھی ہے اور باعث نجات بھی ہے۔

پہلا استدلال

دینی پلورل ازم کے نظریہ کے قائل افراد نے اپنے نظریہ کو مختلف دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ ہر انسان کی معرفت کا ماخذ ایک نہیں ہے۔یعنی انسان جب حقیقت مطلق کی معرفت اور شناخت حاصل کرنا چاہتاہے تو ہرایک انسان کی معرفت کا ایک ماخذ ہوتا ہے اور وہ اسی حساب سے اللہ تعالی کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ گرچہ حقیقت مطلق ایک سے زیادہ نہیں ہے، لیکن وہ کیسی ہےاور اس کی حقیقت کیاہے؟ انسان اس حقیقت کاادراک نہیں کرسکتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر انسان کا فہم ایک جیسا نہیں ہے۔لوگ اپنےاپنے فہم اور سمجھ کے حساب سے کسی عقیدے اور دین کو قبول کرتے ہیں۔جس کے نتیجے میں دنیا میں بہت سارے ادیان اور مکاتب نظر آتے ہیں، پس انسان کی سمجھ اور فہم نسبی(Relative)ہے۔اسی لئے ہر انسان خدا کو اپنی سمجھ کے حساب سے تصور کرتا ہے۔جان ہیک اس کے بارے میں کہتا ہے: (بڑےادیان) میں بھی حقیقت غائی کی واقعیت اور حقیقت کے بارے میں لوگوں کا فہم اور تجربہ مختلف رہا ہے۔ اب چونکہ انسان محدود ہے اور حقیقت غائی لا متناہی ہے، لہٰذا ایک محدود وجودلا محدود وجود کا ادراک نہیں کرسکتا۔ اسی وجہ سے حقیقت غائی کے متعلق ہمارا ادراک، فہم اور تصورات مختلف ہوا کرتے ہیں۔پس ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دینی تجربے کا مختلف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ لامحدودواقعیت کی نسبت انسانوں کی آگاہی بھی متعدد اور مختلف ہے۔[4]

استدلال پر تنقید

جان ہیک اور اس کے طرف داروں نے دینی پلورل ازم کے نظریے کو بیان کرنے کے لئے اس استدلال کا ذکر کرتے ہوئے کہا: حقیقت غائی کی نسبت ہمارا ادراک، فہم اور تصورات مختلف ہوا کرتے ہیں؛ (چنانچہ) ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دینی تجربے کا مختلف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ لامحدود واقعیت کی نسبت انسانوں کی آگاہی بھی متعدد اور مختلف ہوتی ہے۔ اگرچہ حقیقت غائی کی نسبت ہم ایسا تصور نہیں لا سکتے جس سے اس کی کنہ اور ذات کا علم ہو جائے۔ دوسری جانب کسی چیز کی نسبت انسان کی معرفت کا مختلف ہونا اس بات پر دلیل نہیں ہو سکتی کہ ہم کسی بھی قسم کا ایسا تصور نہ کر سکیں جو حقیقت غائی سے کامل طور پر مطابقت نہ رکھتا ہو۔ بلکہ انسان کے لئے ممکن ہے کہ ایک ایسی تصویر اپنے ذہن میں رکھ سکے جو کسی حد تک حقیقت غائی سے مطابقت رکھتی ہو۔ کیونکہ ادراک اور معرفت کے باب میں جب ہم لفظ مطابقت استعمال کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد مطابقت وجودی نہیں ہوتی بلکہ اس سے مراد، تصویر ذہنی کی مطابقت ہوتی ہے، یعنی حقیقت غائی کی نسبت ہم ایسی تصویر کا تصور کر سکتے ہیں جو اس حقیقت غائی کے تمام اوصاف ہمارے لیے بیان کر سکے اور ایسا تصور کرنے کی دو راہیں ہیں: **ایک،** اثباتی ادراک: یعنی ہم تمام وجودی کمالات کو حقیقت غائی کے لئے ثابت کر سکتے ہیں۔ جیسے علم کا تصور، قدرت، حیات وغیرہ ---. **دوسری،** سلبی ادراک: یعنی تمام وہ صفات جو ناقص اور ناپسندیدہ ہیں، ان کو حقیقت غائی کی نسبت سے سلب کر سکتے ہیں۔ جیسے ہم کہیں کہ۔ خدا دیگر موجودات کی طرح عالم ہے لیکن اس کا علم انسان کے علم جیسا نہیں ہے۔

دوسرا استدلال

دینی پلورل ازم کے نظریہ کے قائل افراد اپنے نظریہ کو ثابت نے کے لئے ایک یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ اس دنیا میں وہ لوگ جو کروڑوں کی تعداد میں مختلف ادیان اور عقیدوں کے مالک ہیں اور عیسائی مذہب کے دائرے سے خارج ہیں۔ یہ سب جہنم میں کیسے جا سکتے ہیں؟ خصوصا وہ تمام انسان جو حضرت مسیح کے دنیا میں آنے سے پہلے دنیا میں مختلف عقیدے رکھتے تھے، وہ سب کے سب جہنمی کیسے ہو سکتے ہیں۔[5] جان ہیک اپنے نظریہ پر یہ دلیل دیتا ہے کہ خدا اپنے بندوں کے لئے چاہے اس کے بندے جس دین سے بھی تعلق رکھتے ہوں، حتی بے دین ہوں تب بھی، اپنی رحمت کو شامل حال فرماتا ہے، کیونکہ اس کی رحمت بہت وسیع ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ نجات صرف دین عیسائیت کے ماننے والوں کے ساتھ مخصوص ہے تو یہ بات اللہ کی رحمت کے واسعہ ہونے سے ٹکراتی ہے۔ جو کہ صحیح نہیں ہے۔ ڈاکٹر سروش اپنی کتاب صراط ہای مستقیم میں لکھتے ہیں: کیا ہم یہ پوچھ سکتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں جو کروڑوں لوگ زندگی گزار رہے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کوئی نہ کوئی عقیدہ اور دین رکھتا ہے۔ تو اس صورت میں اگر ہم کہیں کہ صرف شیعہ اثنا عشری حق پر

ہیں اور وہی نجات پائیں گے تو ایسی صورت اللہ کی رحمت کے واسعہ ہونے کو ہم کیسے تصور کریں گے؛ لہٰذا ہمیں قائل ہونا پڑے گا کہ اللہ کے اسمائے گرامی میں سے ایک ہادی ہے۔ اس ہدایت واسعہ کے مفہوم کو صحیح درک کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے جب تک ہم اس بات کے قائل نہ ہو جائیں کہ شیعہ اثنا عشری کے علاوہ دوسرے ادیان اور عقیدہ رکھنے والے بھی مستحق نجات ہیں اور سعادت پا سکتے ہیں۔ اور یہی نظریہ، دینی پلورل ازم کی روح ہے۔[6]

جان ہیک، ڈاکٹر سروش اور ان جیسے دوسرے لوگ معتقد ہیں کہ خدا کے صفات میں سے ایک صفت ہادی ہے۔ خدا کا ہادی ہونے کا معنی یہ ہے کہ خدا انسانوں کی ہدایت کرنے والا ہے۔ یہ معنی اس وقت متحقق ہوتا ہے کہ جب ہم اس بات کا اعتراف کریں کہ خدا سارے انسانوں کو ہدایت کرتا ہے اور یہ تب ہوگا جب سارے انسانوں کے لئے ہدایت کا پانا ممکن ہو۔ یہ وہی دینی پلورل ازم ہے جسے ہم پیش، بیان کر رہے ہیں۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ دنیا میں موجود تمام ادیان، چاہے آسمانی ہوں یا نہ ہوں حق اور اہل ہدایت ہیں، لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ صرف دین اسلام یا دین عیسائیت حق ہے اور ہدایت دینے والا ہے، ان کے علاوہ باقی سب گمراہی اور ضلالت ہیں تو یہ معنی خدا کے ہادی ہونے کے ساتھ تضاد رکھتا ہے؛ پس خدا کا ہادی ہونا دینی پلورل ازم کے نظریے کی تائید کرتا ہے۔

استدلال پر تنقید

ہدایت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ **ہدایت تکوینی**: ہدایت تکوینی ہدایت جبری ہے؛ یعنی خدا ہر حال میں انسان کی ہدایت کرتا ہے وہ چاہے یا نہ چاہے۔ یہ ہدایت تکوینی صرف انسانوں کے ساتھ مختص نہیں ہے، بلکہ دنیا میں تمام موجودات کے لئے ہے۔

۲۔ **ہدایت تشریعی**: ہدایت تشریعی ہدایت جبری نہیں ہے، بلکہ ایسی ہدایت ہے کہ جس میں انسان کا اختیار بھی محفوظ رہے اور اس قسم کی ہدایت صرف انسان کے ساتھ مختص ہے۔

جب ہم کہتے ہیں خدا ہادی ہے اور انسان کو ہدایت کرنے والا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا انسان کو ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے تاکہ انسان اپنے اختیار اور ارادے کے ساتھ ہدایت کا راستہ انتخاب کرے؛ یعنی انسان کی ہدایت، ہدایت تشریعی ہے۔ جس میں انسان کا اختیار بھی محفوظ ہے؛ پس خدا کے ہادی ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ انسان ہر حال میں ہدایت یافتہ ہو رہے، یہ صحیح نہیں ہے۔ اگر ہم اس بات کے قائل ہو جائیں تو یہ جبری ہدایت کے زمرے میں آئے گا۔ جب کہ خدا کا انسان کی ہدایت کرنا، تشریعی ہدایت ہے، جبری نہیں ہے۔ اللہ تعالی نے انسان کو ہدایت کا راستہ دکھایا جس کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر، کتابیں اور رسول بھیجے۔ اور پھر انتخاب کا راستہ انسان کے سامنے رکھا جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالی قرآن مجید میں فرماتا ہے: إِنَّا

هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا (3:76)ہم نے انسان کو راستہ دکھایا، اب چاہے وہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا بنے۔

دینی پلورل ازم کا نظریہ پیش کرنے والوں کی نگاہ میں خدا ہادی ہے اور ہادی ہونے کا لازمہ یہ ہے کہ وہ انسان کی ہدایت کرے چاہے انسان چاہے یا نہ چاہے۔ یہ ہدایت جبری ہے جبکہ انسان کی وہ ہدایت جو خدا کرتا ہے وہ ہدایت، تشریعی ہے؛ پس معلوم ہوا جان ہیک اور ڈاکٹر سروش وغیرہ نے تکوینی اور تشریعی ہدایتوں کے مقامات کو غلط ملط کر دیا ہے۔ اگر ہم ہدایت جبری کے قائل ہو جائیں تو یہ سنت الٰہی کے خلاف ہوگا۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے، انتخاب کا حق انسان کو دیتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ (فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ)(149:6)؛ اگر خدا چاہے تو سارے انسانوں کی ہدایت کر سکتا ہے؛ کیونکہ وہ (قادر علی کل شیئ) ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو سارے انسانوں کی ہدایت کر سکتا ہے، لیکن ایسا نہیں کرتا اس لیے کہ یہ سنت الٰہی کے خلاف ہے؛ لہٰذا راستہ دکھانا خدا کا کام ہے اور ہدایت کے راستے کو انتخاب کر کے اس پر چلنا انسان کا کام ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک اسپیشلسٹ ڈاکٹر جو اگرچہ تمام بیماریوں کا علاج کر سکتا ہے، لیکن وہ ڈاکٹر بیماروں کا علاج اس وقت کرے گا جب بیمار ڈاکٹر سے رجوع کریں اور اس کے دیئے ہوئے نسخوں پر عمل کریں۔ اگر پورا شہر مریضوں سے بھرا ہوا ہو اور ڈاکٹر بھی موجود ہو، لیکن اس سے کوئی بھی مریض رجوع نہ کرے تو کیا ان مریضوں کا علاج ممکن ہوگا؟ بالکل نہیں۔ کیا ان بیماروں کے رجوع نہ کرنے سے اس شخص کی طبابت پر کوئی اثر پڑے گا؟ ہرگز نہیں۔ لوگ چاہے اس کے پاس علاج کے لئے آئیں یا نہ آئیں یہ اس کے ڈاکٹر ہونے کے ساتھ کوئی منافات نہیں رکھے گا۔ ہاں لوگ مرض کی شدت سے مر سکتے ہیں؛ لہٰذا نقصان لوگوں کا ہوگا نہ ڈاکٹر کا۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ ہادی ہے اور اس نے اپنے رسولوں اور رہنماوں کے ذریعے ہدایت کا راستہ بھی دکھایا ہے، پس اگر لوگ ان کے دکھائے ہوئے راستے پر نہ چلیں اور گمراہ ہو جائیں تو یہ بھی خدا کے ہادی ہونے کے ساتھ کوئی منافات نہیں رکھتا۔ خدا ہمیشہ ہادی ہے، اگرچہ سارے انسان ضلالت کی راہ انتخاب کرنے کی وجہ سے ہدایت نہ پا سکیں؛ لہٰذا خدا کے ہادی ہونے کے ساتھ نظریہ دینی پلورل ازم کا کوئی ربط نہیں ہے۔

دینی پلورل ازم کے بطلان پر دلیل

یہ نظریہ غلط ہے۔ جس کے باطل ہونے پر بہت سارے عقلی اور نقلی دلائل موجود ہیں۔ سب سے روشن اور واضح ترین دلیل یہ ہے کہ یہ نظریہ فلسفہ نبوت کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔ چونکہ اللہ کی جانب سے ہر دور میں انسانوں کی ہدایت کے لئے ہادی اور رہنما آئے جن کا ایک ہی ہدف اور نعرہ تھا: أَنِ اعْبُدُواْ اللّهَ وَاجْتَنِبُواْ الطَّاغُوتَ

(36:16) تمام انسانوں کو اللہ تعالی کی وحدانیت کی طرف دعوت دینا اور اللہ کے علاوہ کسی اور کی پیروی کرنے سے منع کرنا۔ اسلامی تاریخی کتابوں میں ملتا ہے کہ بہت سے پیغمبروں نے ان لوگوں کے ساتھ بھی مقابلہ کیا جو اللہ کے وجود اور خالق ہونے پر ایمان رکھتے تھے: وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ الآیہ (87:43) پس مسئلہ صرف یہ تھا کہ وہ لوگ ربوبیت اور عبادت میں اللہ کے علاوہ دوسروں کو بھی شریک سمجھتے تھے اور قرآن کی تعبیر کے مطابق (مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفَى) (3:39) اسی طرح اللہ کے برگزیدہ افراد نے صرف دین حق کی طرف دعوت دینے پر اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ مشرکوں اور ایسا عقیدہ رکھنے والوں سے بڑی بڑی جنگیں بھی لڑی ہیں۔ پلورل ازم کا نظریہ پیش کرنے والے افراد پیغمبروں کی اس کو اتنی آسانی سے نظرانداز نہیں کر سکتے ہیں۔ اللہ کی بھیجی ہوئی تمام برگزیدہ ہستیاں اپنے زمانے میں ایک دین کے حق ہونے اور اسی کی حمایت اور تکثر ادیان (دینی پلورل ازم) کے مخالف تھیں۔[7] رسول اکرم ﷺ نے بھی صرف مذہب بت پرستی کی مخالفت نہیں کی؛ بلکہ یہود و نصاری کے مذہب کے ماننے والوں سے بھی فرمایا: تمہارا دین اب دین حق نہیں ہے۔ اگر تم ہدایت یافتہ ہونا چاہتے ہو تو آو اسلام کو قبول کرو! اگر ایسا نہیں کروگے تو دردناک عذاب کے منتظر رہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَإِنْ آمَنُواْ بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَواْ وَّإِن تَوَلَّوْاْ فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (2:137) اس کے بعد اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو یہ راہِ راست پر آجائیں گے اور اگر یہ منہ موڑ لیں تو درحقیقت وہ دشمنی میں پڑ گئے ہیں اب اللہ تمہاری حمایت میں عنقریب ان سے نمٹ لے گا اور وہ ہر بات سننے والا، ہر بات جاننے والا ہے۔ دنیا میں موجود ادیان کے درمیان بہت سارے عقیدے اور مسائل ایسے ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ تضاد اور تناقض رکھتے ہیں۔ اگر ہم دنیا میں موجود تمام ادیان (خواہ وہ ادیان آسمانی و وحیانی ہوں یا غیر آسمانی) کو حق سمجھنے لگیں (جیسا کہ دینی پلورل ازم کے نظریے کو پیش کرنے کا اصلی ہدف اور مقصد بھی یہی ہے) تو ان ادیان کے بہت سارے عقائد اور آراء میں تصادم اور تناقض ہوگا، حالانکہ تناقض محال اور باطل ہے۔ جیسے دن اور رات ایک دوسرے کا تناقض ہیں؛ یعنی اگر دن ہے تو رات نہیں اگر رات ہے تو دن نہیں۔ کوئی بھی یہ دعوی نہیں کرسکتا کہ ابھی اسی وقت دن بھی ہے اور رات بھی۔ اس کو اجتماع نقیضین کہتے ہیں اور اجتماع نقیضین باطل ہے۔

ادیان کے معاملات بھی اسی طرح کے ہیں۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ ہر دین اور مکتب کی اپنی ایک فکر ہوتی ہے جو دوسرے مکاتب میں نہیں پائی جاتی۔ مثلا اسلام، اللہ کی توحید پر زور دیتا ہے جبکہ عیسائیت تثلیث کے قائل ہیں اور زرتشتی ثنویت کے قائل ہیں۔ اگر ہم دینی پلورل ازم والوں کے نظریے کو مان لیں تو

ان ادیان میں سے ہر ایک کا اپنی جگہ پر درست اور نجات دہندہ ہونا لازم آئے گا اور اگر اس بات کو مان لیا جائے تو گویا ہم اس بات کے قائل ہیں کہ خدا کا ایک ہونا بھی حق اور صحیح ہے دو ہونا بھی اور تین ہونا بھی۔ خدا ایک بھی ہو دو بھی اور تین بھی یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر خدا ایک ہے تو دو اور تین نہیں۔ اگر دو ہے تو ایک اور تین نہیں اور اگر تین ہے تو ایک اور دو نہیں۔

اسلام اور قرآن کا نظریہ

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حق صرف دین اسلام ہے۔ اسلام کے آنے کے بعد حق صرف اسی کی قبولیت میں محدود ہے لیکن کامیابی، فلاح اور نجات صرف اس دین کے قبول کرنے پر بھی منحصر نہیں ہے؛ بلکہ نجات اور کامیابی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ اللہ پر اور نبوت پر ایمان لایا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے زمانے کی شریعت کے حدود و قیود کی رعایت بھی کی جائے اور اسی شریعت پر عمل کیا جائے۔ دین اسلام آنے کے بعد حق صرف اسلام ہے اور لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ اسلام کے احکامات کے پابند رہیں۔ قرآنی آیات بھی صراحت کے ساتھ صرف اسلام کے دین حق اور دہندہ بخش ہونے پر دلالت کرتی ہیں: وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ (83:3)؛ اور جو کوئی اسلام کے سوا اور کوئی دین چاہے تو وہ اس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام بھی دین کے منحصر ہونے کا قائل ہے۔ اسلام کی نظر میں تاریخ کے ہر دور میں ایک دین اور ایک شریعت الٰہی حق رہے ہیں۔ جب جدید دین آتا ہے تو قدیم دین منسوخ ہو جاتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق عصر حاضر میں دین حق صرف دین اسلام ہے۔ دین، اسلام کے آنے کے بعد اسی میں محدود ہے لیکن کامیابی۔ رستگاری، فلاح اور نجات صرف اس دین کے قبول کرنے پر منحصر نہیں ہے بلکہ نجات اور کامیابی کے لئے شرط اللہ پر اور نبوت پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اپنے زمانے کی شریعت کے حدود و قیود کی رعایت کرنا اور اسی شریعت پر عمل کرنا ہے لیکن عصر حاضر میں دین حق صرف اسلام ہے اور دین اسلام کے آنے کے بعد والے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ اسلام کے احکامات کے پابند رہیں اور ساتھ ہی گزشتہ تمام انبیاء الٰہی پر بھی ایمان رکھیں البتہ جاہل قاصر اور مقصر کا حکم الگ الگ ہے۔

ایک نکتے کی وضاحت

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ صرف دین اسلام حق ہے، لیکن اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ باقی تمام ادیان الٰہی باطل ہیں، بلکہ تمام ادیان آسمانی اپنے اپنے زمانے میں حق پر تھے۔ دین اسلام آنے کے بعد باقی سارے ادیان منسوخ

ہو چکے ہیں؛ لہٰذا اب اسلام ہی حق ہے۔ اب اسلام کے آنے کے باوجود اگر کوئی اسلام کے قوانین پر عمل نہ کرے، بلکہ منسوخ شدہ ادیان یعنی عیسائیت اور یہودیت وغیرہ کے قوانین پر عمل کرے تو ہرگز اسے سعادت نہیں ملے گی؛ کیونکہ جو چیز منسوخ ہو جائے اس پر عمل کرنا واجب نہیں ہے، جیسے کہ مسلمانوں کو پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم تھا، لیکن اب کعبہ مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی مسلمان اس زمانے میں بھی بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز باطل ہے۔ اسی طرح اسلام کے آنے کے بعد باقی تمام آسمانی ادیان کا زمانہ ختم ہو گیا ہے۔ یہ سنت الٰہی رہی ہے کہ کسی نئے دین کے آنے سے پہلے والا دین منسوخ ہو جاتا ہے، مثلاً جب حضرت ابراہیمؑ کا دین آیا تو حضرت نوحؑ کے دین کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اب جب حضرت محمد ﷺ دین اسلام لے کر آئے تو دین عیسیٰؑ کا زمانہ بھی ختم ہو گیا۔ اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ اب صرف دین اسلام حق ہے اور اس کے قوانین پر عمل کرکے ہی انسان کو سعادت مل سکتی ہے۔

دین اسلام کی کچھ خصوصیات

۱۔ اسلام دوسرے آئین کی نسبت کامل ترین دین ہے۔

۲۔ دین اسلام جاوید اور ہمیشہ رہنے والا دین ہے۔

۳۔ دین اسلام عمومی اور سب کے لئے ہے۔

دین اسلام دوسرے ادیان کی نسبت اس لیے کامل تر لیے ہے؛ کیونکہ اس میں وہ ساری خصوصیات موجود ہیں جو دیگر آسمانی ادیان میں پائی جاتی ہیں نیز اس کے علاوہ بھی کچھ ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو دیگر ادیان میں نہیں ملتیں: شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ (13:42)؛ تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا جس کا نوح کو حکم دیا تھا اور اسی راستہ کی ہم نے آپ کی طرف بھی وحی کی ہے اور اسی کا ہم نے ابراہیم، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا، کہ اسی دین پر قائم رہو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا، جس چیز کی طرف آپ مشرکوں کو بلاتے ہیں وہ ان پر گراں گزرتی ہے، اللہ جسے چاہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسے راہ دکھاتا ہے۔ ہم کبھی بھی یہ نہیں کہتے کہ نعوذ باللہ اسلام کے علاوہ باقی تمام ادیان باطل تھے؛ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلام کے آنے سے پہلے دیگر تمام ادیان چاہے ابراہیمؑ کا دین ہو موسیٰؑ کا ہو یا عیسیٰؑ کا، اپنے اپنے زمانے میں دین حق تھے؛ کیونکہ تمام آسمانی ادیان میں بہت سارے اصول مشترک ہیں مثلاً

توحید، نبوت، معاد اور عبادات وغیرہ، لیکن ان اصولوں کو عملی جامہ پہنانے کے طریقے مختلف ہیں۔ جیسے کہ ماہ رمضان میں روزوں کے واجب ہونے کے بارے میں قرآن کہتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (2:183)؛ اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر لیے دیئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔ اگر طریقے مختلف نہ ہوں تو جدید دین کا آنا ہی لغو ہو جائے گا؛ چونکہ یہ حاصل شدہ کو تلاش کرنے کے مترادف ہے۔

جدید دین کے آنے کا مقصد

اللہ تعالی کا جدید دین بھیجنے کا ہدف اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ سابقہ ادیان میں جو کمی ہے اسے پورا کرے۔ مثلا ابراہیمؑ کے دین میں کچھ کمی تھی تو اللہ تعالی نے موسیٰؑ کو دین دے کر بھیجا۔ پھر دین موسیٰؑ کی کمی کو پورا کرنے کے لئے عیسیٰؑ کو بھیجا۔ دین عیسیٰؑ میں بھی کچھ کمی تھی اسلئے اللہ تعالی نے حضرت محمدﷺ کو اپنا آخری رسول بنا کر (یہ بات نہایت خطرناک اور قابل اعتراض ہے؛اسد) دین اسلام عطا کیا تاکہ حضرت عیسیٰؑ کے دین کی کمی کو پورا کرے اور اسلام ہی کو کامل دین بنایا۔ جدید قانون آنے کے بعد سابقہ آئین کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے اور وہ قابل عمل نہیں رہتا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالی نے دین اسلام کو حضرت محمﷺ کے ذریعے دنیا والوں کو دین اسلام کا تعارف کروانے کے بعد تمام انسانوں کو خواہ ان کا تعلق جس دین سے بھی ہو اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول اللہﷺ کی اطاعت اور اس کی پیروی کرنے کا حکم دیا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ (4:59)؛ اے ایمان والو! اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسولﷺ کی فرمانبرداری کرو۔ یہ نہیں کہا کہ دین اسلام اور اللہ کے رسولﷺ کے متعارف ہونے کے بعد بھی سابقہ دین یہودیت، عیسائیت وغیرہ۔۔۔ پر باقی رہو۔ پیغمبر اکرمﷺ نے اپنے زمانے کے زرتشتیوں، عیسائیوں اور یہودیوں کی بڑی بڑی شخصیات کو مختلف خطوط کے ذریعے دین اسلام کی طرف دعوت دی۔ اس دعوت کے ذریعے پیغمبر اکرمﷺ یہ بتانا چاہتے تھے کہ اب تمہارا دین، دین حق نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کا زمانہ گزر چکا ہے۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے ایک مثال پر غور کرنا ضروری ہے۔ اسکول میں جب بچہ جاتا ہے تو کلاس اول پاس کرنے کے بعد کلاس دوم میں جاتا ہے اور کلاس دوم میں اساتذہ اسے وہی چیزیں پڑھاتے ہیں جو کلاس اول میں پڑھا چکے ہوتے ہیں، البتہ تھوڑی سی تبدیلی اور اضافے کے ساتھ۔ اسی طرح کلاس سوم میں بھی بچے کو وہی چیزیں پڑھاتے ہیں جو کلاس اول و دوم سے مربوط ہوتی ہیں صرف وہ نقائص (کوئی اور لفظ لایا جائے) جو پچھلی کلاسوں میں رہ گئے تھے ان کو آہستہ آہستہ کامل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی بچہ جو آٹھویں جماعت کا ہو، یہ کہے میں اس

دفعہ امتحان دے کر کلاس اول میں پڑھوں گا تو سب یہی کہیں گے کہ کیا تم پاگل ہوگئے ہو؟ تم کلاس اول کئی سال پہلے پڑھ چکے ہو اب دوبارہ کلاس اول میں جانا لغو اور بے فائدہ ہے؛ چونکہ کلاس نہم کلاس اول کی نسبت کامل تر ہے اور اگر کوئی کامل کو چھوڑ کر ناقص کی طرف جاتا ہے تو لوگ اسے بے وقوف ہی کہیں گے۔

ادیان کا مسئلہ بھی ان کلاسوں کی طرح ہی ہے۔ بعد میں آنے والا ہر دین سابقہ دین کی نسبت کامل تر ہے۔ اللہ کے آخری دین، اسلام کے آنے کے بعد اگر کوئی شخص اب بھی کسی سابقہ دین پر رہے تو یہ درست نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ نہیں، ہم پہلے عیسائی تھے اور ابھی بھی عیسائی ہی رہیں تو یہ خدا کے دستور کی مخالفت شمار ہوگی اور راہ ضلالت و گمراہ پر چلنے کے مترادف ہوگا۔ پس نتیجے کے طور پر ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ اس زمانے میں صرف دین اسلام حق ہے اور تمام جہان والوں کو اس پر اور اس کے لانے والے پیغمبر اسلام حضرت محمد ابن عبد اللہ ﷺ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس زمانے میں اسلام کے علاوہ باقی سارے ادیان چاہے آسمانی ہوں یا غیر آسمانی باطل ہیں اور ان کے پیروکاروں کو نجات نہیں ملے گی۔

ایک اعتراض و جواب

اگر کوئی شخص کہے: آئین اسلام کو ماننا اس لیے ضروری ہے کیونکہ وہ کامل تر ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان آزاد نہیں۔ جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو آزاد خلق کیا ہے اور دوسری جانب اللہ کا فرمان بھی ہے: لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ (256:2)؛ دین کے معاملے میں زبردستی نہیں ہے اگر ہم کہیں کہ نجات اور سعادت ابدی حاصل کرنے کے لئے ہمیں چاہئے کہ اسلام کے قوانین پر عمل کریں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اسلام کے فرامین پر عمل کرنے میں بھی ہم مجبور ہیں، آزاد نہیں ہیں۔اس اعتراض کا جواب سمجھنے کے لئے پہلے آزادی اور اختیار کے معانی اور پھر ان کے درمیان فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس کے علاہ خود آزادی کے بارے میں جو دو مشہور نظریات بیان ہوئے ہیں، ان کا بھی سمجھنا ضروری ہے۔

آزادی اور اختیار کا مفہوم

آزادی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو اس طرح خلق کیا ہے کہ وہ جو کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ اس کا کسی بھی قسم کی حدود و قیود پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے۔ انسان مکمل آزاد ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ انسان مختار ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اللہ تعالی نے انسان کو مطلق طور پر آزاد خلق کیا ہے۔ اللہ نے اس کو مختار بنایا ہے یعنی، اسے اچھے اور بُرے کو انتخاب کرنے کی قدرت اور صلاحیت دے کر پیدا کیا ہے البتہ اچھائی کا انتخاب کرنا

انسان کا کام ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالی بنی نوع انسان کو آزاد خلق کیا ہے تو اس آزادی کے بارے میں دو نظریے پائے جاتے ہیں:

۱۔ لبرل ازم کا نظریہ

اس نظریہ کے مطابق اللہ تعالی نے انسان کو مطلق طور پر آزاد بنایا ہے؛ لہٰذا انسان اس دنیا میں جو چاہے کر سکتا ہے۔ یعنی انسان جو کرنا چاہے، جو بولنا چاہے، وہ جہاں جانا چاہے، جو کھانا چاہے، کھائے جو سننا چاہے، سنے۔ چاہے دین کو قبول کرے یا نہ کرے، نماز پڑھے یا نہ پڑھے، روزہ رکھے یا نہ رکھے، پردہ کرے یا نہ کرے، اس کی مرضی، خلاصہ انسان مکمل طور پر آزاد ہے۔ اس کی مرضی جو کرنا چاہے کرلے۔ کوئی اس کی آزادی چھیننے کا حق نہیں رکھتا۔ اسلامی حدود و قوانین نامی کوئی چیز موجود نہیں۔ صرف یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس کی وجہ سے کسی دوسرے انسان کی آزادی سلب نہ ہو۔

۲۔ توحیدی نظریہ

اسلام کی نگاہ میں انسان کو اللہ تعالی نے آزاد خلق نہیں کیا ہے؛ بلکہ مختار خلق کیا ہے، یعنی انسان کو اچھے اور برے کی تمیز کرنے کی قدرت اور صلاحیت دے کر پیدا کیا ہے۔ چنانچہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خداوند فرماتا ہے: إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا (3:76)؛ بے شک ہم نے اسے راستہ دکھا دیا، اب یا تو وہ شکر گزار ہے یا ناشکرا۔ انسان کے لئے نیک اور اچھے کاموں کا انتخاب کرنا ضروری ہے۔ انسان کی عقل کہتی ہے کہ انسان کو اچھے، نیک اور ایسے کاموں کو انجام دینا چاہیے جس سے وہ ابدی سعادت تک پہنچ جائے۔ اسے **عقلی ضرورت** کہتے ہیں۔ مختار کا معنی قدرت انتخاب (کا ہونا) ہے۔ انسان چاہے تو اچھا کام کرے چاہے تو برا۔ انسان جھوٹ بھی بول سکتا ہے اور سچ بھی، انسان وعظ اور نصیحت بھی سن سکتا ہے اور گانے بھی، انسان اپنی جنسی پیاس کو حلال طریقے سے بھی بجھا سکتا ہے اور حرام طریقے سے بھی، انسان اپنے بچوں کا پیٹ حرام کھلا کر بھی بھر سکتا ہے اور حلال کھلا کر بھی، انسان دین دار بھی رہ سکتا ہے اور بے دین بھی؛ کیوں کہ اللہ تعالی نے اسے انتخاب کرنے کی قدرت دی ہے، لیکن عقل ابدی سعادت کی راہ کا انتخاب کرنے کا حکم دیتی ہے اور سعادت حاصل کرنے کے لئے انسان کا دین حق کا انتخاب کرنا ضروری ہے جو کہ اسلام ہے۔

یہاں سوال یہ ہے کہ یہ تو جبر ہوا کیونکہ انسان کی عقل اچھے کاموں کو انجام دینے کا حکم دیتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان مختار نہیں ہے۔ جب کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ انسان مختار ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ جبر نہیں ہے اس کو سمجھنے کے لئے پہلے جبر کا سمجھنا ضروری ہے کہ جبر کہتے کسے ہیں؟ لفظ جبر وہاں استعمال کیا جاتا ہے جب کسی جس

شخص سے اختیار کی قدرت چھین لی جائے۔ مثلااس کے ہاتھ اور پیروں کو باندھ دیا جائے اور اس کا منہ کھول کر اس میں شراب ڈال دی جائے۔ ایسی صورت میں شراب کا حلق سے اترنا جبر ہے۔ اس کے پاس کوئی اختیار اور انتخاب کا راستہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ مجبور ہے، لیکن اختیار میں ایسا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالی نے انسان کو مختار خلق کیا ہے، کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو انتخاب کرنے کی قدرت دی ہے؛ لہٰذا جب ہم کہتے ہیں کہ انسان کی عقل سعادت ابدی کی راہ انتخاب کرنے کا حکم لگاتی ہے اور سعادت حاصل کرنے کے لئے انسان کو دین حق کا انتخاب کرنا ضروری ہے، تو اس سے مراد یہ ہے کہ دین حق کو انتخاب کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات، قوانین، اور احکامات پر بھی عمل کرے۔ تب انسان کو سعادت ابدی ملے گی۔ اس کا لازمہ جبر نہیں ہے بلکہ اس کو عقلی ذمہ داری کہتے ہیں۔ اس کی مثالیں بہت ہیں۔ ہم یہاں دو مثالیں بیان کریں گے:

۱۔ کبھی اگر انسان بیمار ہو جاتا ہے اور اس بیماری کی وجہ سے اسے تکلیف ہوتی تو وہ تکلیف اسی وقت ٹھیک ہو سکتی ہے جب وہ کسی ڈاکٹر سے چیک اپ کرا کر اس کے بتائے ہوئے نسخے پر عمل کرے۔ یہاں پر انسان مجبور نہیں ہے کہ وہ ڈاکٹر کے پاس ضرور جائے؛ بلکہ ایسی صورت میں انسان مختار ہے چاہے تو ڈاکٹر سے رجوع کرے اور چاہے تو رجوع نہ کرے۔ کوئی اسے مجبور نہیں کرتا۔ اس کے باوجود اس کی عقل کہتی ہے کہ اگر تم صحت مند ہونا چاہتے ہو تو ڈاکٹر کے پاس جاو اور اس کے دیئے دلیے ہوئے نسخے پر عمل کرو۔

۲۔ ایک آدمی اپنے گھر جانے کے لئے ایک ایسے راستے میں کھڑا ہے جہاں سے ایک راستہ اس کے گھر کی طرف جاتا ہے اور دوسرا راستہ اس کے گھر کے مخالف سمت جاتا ہے۔ آدمی کا ہدف اور مقصد اپنے گھر جانا ہے۔ وہ جس طرف بھی جانا چاہے جا سکتا ہے، چاہے تو اس راستے کا انتخاب کرے جو اسے اپنے ہدف یعنی گھر تک پہنچائی اور چاہے تو مخالف سمت کی طرف چل پڑے۔ کسی نے بھی اسے کسی ایک سمت کا انتخاب کرنے پر مجبور نہیں کیا ہے، لیکن یہاں اس کی عقل کہتی ہے چونکہ تمہارا ہدف اور مقصد گھر جانا ہے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تمہارا اس سمت جانا ضروری ہے جو تمہیں اپنے گھر پہنچادے۔ یہاں پر کوئی یہ شخص یہ کہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو انتخاب کی قدرت دی ہے؛ لہٰذا میں مخالف سمت چلوں گا، میری مرضی یہی ہے تو ایسی صورت میں وہ کبھی بھی اپنے گھر نہیں پہنچے گا؛ بلکہ گھر سے دور سے دور تر ہوتا جائے گا۔ دینی معاملات میں بھی یہی صورت حال ہے کہ جب انسان کی عقل کہہ رہی ہے کہ اگر تمہیں سعادت ابدی چاہیے تو:

۱۔ دین حق (اسلام) کا انتخاب کرنا ضروری ہے۔

۲۔ اسلامی تعلیمات، قوانین، اور احکامات پر عمل کرنا ضروری ہے۔

اس کے باوجود اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہم ابھی بھی عیسائی مذہب پر باقی رہیں اور اسلام کی تعلیمات پر عمل نہیں کریں گے؛ کیونکہ انتخاب کی قدرت اللہ تعالی نے دی ہے؛ لہٰذا میری مرضی میں جس دین کا بھی انتخاب کروں۔ تو ایسا شخص مسخ شدہ دین پر باقی رہ کر کبھی بھی سعادت ابدی حاصل نہیں کر سکے گا۔

ایک اہم اعتراض اور اس کا جواب

قرآن مجید میں اللہ تعالی کا فرمان ہے: لَآ إِكۡرَاهَ فِي ٱلدِّينِ (256:2)؛ دین کے معاملے میں زبردستی نہیں ہے۔ آج کل تمام بے دین اور جن لوگوں کا بھی شریعت کے احکام پر عمل کرنے کا دل نہ چاہے، اسی آیت کو دلیل کے طور پر پیش کرکے کہتے ہیں کہ دین میں جبر نہیں ہے۔ مثلاً آج کی دنیا میں جب بے نماز جوانوں سے پوچھا جاتا ہے کہ نماز کیوں نہیں پڑھتے تو جواب میں کہتے ہیں لا اکراہ فی الدین، جب روزہ خوروں سے پوچھا جاتا ہے کہ روزہ کیوں نہیں رکھتے تو کہتے ہیں لا اکراہ فی الدین، بے حجاب عورت سے جب پوچھا جاتا ہے کہ آپ پردہ کیوں نہیں کرتیں تو وہ فورا جواب دیتی ہیں لا اکراہ فی الدین و۔۔۔ اگر واقعاً اس آیت سے مراد یہی ہے، جس طرح یہ لوگ تفسیر کر رہے ہیں تو ایسی صورت میں قرآن کی باقی ساری آیات، جن میں مشرکوں کے لئے دردناک عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے یا بے نمازیوں کے بارے میں آیا ہے: فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّينَ (4:107) ؛ پس ان نمازیوں کے لئے ہلاکت ہے۔ اسی طرح بہت ساری آیات ہیں جن میں مختلف قسم کے وعد و وعید ذکر ہوئے ہیں۔ ان تمام وعد و وعید کا لغو ہونا لازم آئے گا اور خدائے حکیم کی جانب سے لغو اور بے ہودہ کام سرزد نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا آیہ لَآ إِكۡرَاهَ فِي ٱلدِّينِ(256:2) "دین کے معاملے میں زبردستی نہیں ہے۔" کا معنی یہ ہے کہ دین کو زبردستی کسی پر ٹھونسا نہیں جاسکتا ہے۔ ہمیں کوئی حق نہیں ہے کہ کسی کو مجبور کریں؛ کیونکہ دین کی ماہیت ایسی زبردستی کو قبول ہی نہیں کرتی۔ اس لیے کہ دین ایک قلبی معاملہ ہے۔ دین کا تعلق انسان کے دل سے ہے اور قلبی امور میں کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے کسی سے محبت ہونا۔ یہ بات واضح ہے کہ محبت کی نہیں جاتی، محبت ہو جاتی ہے کیونکہ محبت کا تعلق انسان کے دل سے ہے۔ ہم کبھی بھی زبردستی بندوق لے کر کسی کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ مجھ سے محبت کرو ورنہ تمہیں قتل کردوں گا۔ ممکن ہے تلوار یا بندوق کو دیکھ کر وہ کہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں، لیکن یہ محبت زبان کی حد تک ہوگی۔ عین ممکن ہے کہ اس کے دل میں نفرت کی آگ بھڑک رہی ہو۔ اسی طرح تلوار لے کر کسی کو یہ کہنا کہ یا تو مسلمان ہو جاو یا مرنے کے لئے تیار ہو جاو تو ممکن ہے وہ بظاہر اسلام قبول کرلے لیکن دل سے قبول نہیں کرے گا؛ لہٰذا اس کے دل میں کچھ اور زبان پر کچھ ہوگا۔ اور یہ عمل اس طرح منافقوں کے وجود میں آنے کا سبب بنے گا۔

یہ اعتراض بالکل بے جا اور نادرست ہے۔ اس وجہ سے پوری تاریخ اسلام میں کہیں پر بھی نظر نہیں آتا کہ پیغمبر اکرم ﷺ کسی بھی مشرک اور کافر کے ساتھ اس طرح پیش آئے ہوں یا کبھی بھی کسی کو تلوار کے ذریعے ڈرا دھمکا کر دین اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا ہو۔ ہاں دین کی تبلیغ کی ہے۔ سمجھانے کی کوشش کی ہے، لیکن دین قبول کرنے پر مجبور کسی کو نہیں کیا ہے، بلکہ آپ کا فریضہ یہ تھا کہ ڈرانے اور دھمکانے کے بجائے خوش روئی اور خوش اخلاقی کے ساتھ لوگوں کے سامنے خالص دین کو بیان کریں۔ لوگ آپ کے اخلاق کو دیکھ کر اپنے ارادے اور اختیار کے ساتھ ایمان لے آتے تھے۔ مثلا سے فرماتے تھے: اے لوگو! اگر سعادت ابدی چاہتے ہو تو میرے اہل بیتؑ سے محبت کرو؛ کیونکہ یہ اللہ کا حکم ہے: قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (23:42)" کہہ دو میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا بجز رشتہ داری کی محبت کے۔" حقیقت بھی یہی ہے اگر ہم آج کے زمانے میں لوگوں تک اسلام کے احکام، آداب اور اسی طرح ااسلام ناب کی تعلیمات کو پہنچائیں اور آئمہ معصومینؑ کے پاک فرمودات کو اپنی طرف سے کم و زیاد کئے بغیر لوگوں کو پیش کریں تو لوگ دین کو خود بخود قبول کریں گے۔ زبردستی کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی؛ کیونکہ دین لوگوں کی فطرت کے عین مطابق ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔ امام رضا علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا: «رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا اَحْيا أمْرَنا » ؛ خدا رحم کرے اس بندے پر جو ہمارے امر کو زندہ کرے۔قال الرّاوی: راوی کہتا ہے: فَقُلْتُ لَهُ: میں نے امامؑ سے سوال کیا: «فَكَيْفَ يُحْيِي أمْرَكُمْ»؟ آپ کے امر کو ہم کیسے زندہ کر سکتے ہیں؟ قالَ: آپؑ نے فرمایا: يَتَعَلَّمُ عُلُومَنا و يُعَلِّمُها النّاسَ، فَإنَّ النّاسَ لَوْعَلِمُوا مَحاسِنَ كَلامِنا لاَتَّبَعُونا یعنی: "ہمارے علوم کو سیکھیں اور لوگوں کو سکھائیں کہ اگر لوگ ہمارے کلام کے محاسن کو جان لیں تو یقینا ہماری پیروی کریں گے۔"[8]

نتیجہ

دین اسلام کی حقانیت کو صحیح معنوں میں سمجھنے کے لئے ادیان کا تقابلی مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ دینی پلورل ازم کا نظریہ قرآن اور احادیث کی روشنی میں ایک باطل نظریہ ہے؛ کیونکہ اس کا قائل ہونے سے بہت سارے اسلامی قوانین پر سوال اٹھتے ہیں، اس کے علاوہ اس نظریے کے اثبات پر قائم دلائل بہت کمزور ہیں۔ البتہ اسے سمجھنے کے لئے بنیادی اسلامی اور اعتقادی و کلامی مباحث سمیت علم فلسفہ سے اجمالی واقفیت شرط ہے۔ اختیار اور آزادی کے مفاہیم نہ سمجھنے کی وجہ سے بھی بہت سارے لوگ گمراہ ہوچکے ہیں۔ لہٰذا ایک اسلام شناس کے لئے ان اہم اصطلاحات سے آشنا ہونا لازم ہے۔ اسلام اللہ تعالی کا آخری بر حق دین ہے جس کے بعد کوئی دین نہیں آئے گا اسلامی تعلیمات میں اس پر وافر عقلی اور نقلی دلائل موجود ہیں۔

*****

حوالہ جات

1۔ ہیک، جان، *مباحث پلورل ازم دینی*، ترجمہ عبد الرحیم گواہی (تہران، موسسہ فرہنگی تبیان، 1378ش)، 69۔
2۔ ہیک، جان، *فلسفہ دین*، ترجمہ بہرام راد (تہران، انتشارات بین المللی الہدی، 1372ش)، 243-245۔
3۔ مایکل، پترسون و دیگران، *عقل واعتقاد دینی*، ترجمہ احمد نراقی و ابراہیم سلطانی (تہران، طرح نو، 1376)، 414-417؛ مرچا، الیادہ، *دین پژوھی*، ترجمہ بھاء الدین خرمشاہی (تہران، پژوہشگاہ علوم انسانی، 1375)، 302-303۔
4۔ ہیک، جان، *فلسفہ دین*، 243-245۔
5۔ ہادی، صادقی، *درآمدی بر کلام جدید* (نشر معارف، 1391)344؛ پترسون، *عقل واعتقاد دینی*، 407۔
6۔ عبد الکریم، سروش، *صراط ہای مستقیم* (تہران، موسسہ فرہنگی صراط، 1377ش)، 33۔36۔
7۔ علی، ربانی، گلپایئگانی، *درآمدی بر کلام جدید* (قم، نشر ہاجر، 1396)، 196۔
8۔ محمد بن علی، الشیخ الصدوق، *عیون اخبار الرضا (ع)*، تصحیح الشیخ حسین الاعلمی، جلد: 2 (بیروت، مؤسسۃ الاعلمی، 1984)، 275۔

Bibliography

1) Alyad, Marcha, *Dīn Pajūhi*, Translated by Baha al-Dīn Khuramshai, Tehran, Pajūhishgah Ulūm-e Insani, 1375/1996.
2) Hick, John, *Falsafa-ye Dīn*, Translated by Bahram Rād, Tehran, Intisharāt-e Bayn al-Milali al-Huda, 1372/ 1993.
3) Hadi, Sadiqi, *Dar'āmadi br Kalam-e Jadīd*, Tehran, Nashr-e Ma'arif, 1391/2012.
4) John, Hake, *Mabahis-e Pluralism Dīni*, Translated by Abd al-RahīmGawahi, Tehran, Mua'ssa-ye Farhanghi Tibyān, 1378/1999.
5) Peterson, Micheal et al, *Aql wa Ae'teqad-Dīni*, Translated by Ahmad Naraqi & Ibrahim Sultani, Tehran, Tarh-e Noor, 1376/1997.
6) Rabbani Gulpaygi, Ali, *Dar Amadi br Kalām-e Jadīd*, Tehran, Intisharāt-e Bayn al-Milali al-Huda, 1396/ 2017.
7) Al-Shaykh Sadūq, Muhammad bin Ali, *Uyūn Akhbar al-Rida*, Beirut, Mua'ssa al-A'alami, 1984.
8) Saroush, Abdul Karim, *Sirātha-ye Mustaqīm*, Tehran, Mua'ssa-ye Farhanghi Sirāt, 1377/1998.